سیر و سوانح

ڈاکٹر محمد رفعتؒ

ایک عزیز کی یاد، جو سب کا عزیز تھا۔

سید جلال الدین عمری

ڈاکٹر محمد رفعت ۸ر جنوری ۲۰۲۱ء کو شب کے دس بجے کئی ماہ کی علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے عالمِ جاوداں کی طرف کوچ کر گئے اور اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ ان کا انتقال ایک خاندان ہی کا نہیں، تحریک اسلامی ہند کا، بلکہ عالمی تحریکاتِ اسلامی کا خسارہ ہے۔ وہ صاحب علم وفضل بھی تھے اور شریعت کے بے حد پابند بھی۔ ان کی زندگی میں خلافِ شرع کوئی عمل دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ یہ دونوں خوبیاں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں ہی میں جمع ہوتی ہیں۔ امید ہے، وہ بھی ان بندگانِ خاص میں ہوں گے۔

نماز جنازہ میں کثرت تعداد

مسجد اشاعت اسلام کے وسیع صحن میں بعد عشاء نمازِ جنازہ اس خاک سار نے پڑھائی۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ اس وقت ایک عزیز ہی کی جدائی نہ تھی، بلکہ ایسے عزیز کی جس سے دنیائے علم کی بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

سخت سردی میں تقریباً دو ہزار کا مجمع تھا۔ میت جب گورستان پہنچی تو مزید ہزاروں افراد کا اضافہ ہو گیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خدا ترس، سادہ مزاج انسان دلوں پر حکومت کر رہا تھا۔ اس میں کتنے ہی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوں گے۔ ان کی دعائیں اس کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہوں گی۔ **اللھم اغفر لہ۔**

معلوم ہوا کہ حیدر آباد کے تین مقامات پر ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور بنگلور میں بھی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور تعزیتی نشست رکھی گئی۔ اس طرح ہزار ہا افراد کی

دعائیں انہیں حاصل ہوئیں۔ امید ہے، وہ ان کی مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ ☆

ڈاکٹر رفعت اپنے حلقۂ احباب میں ایک ذہین فرد کا نام رہا ہے۔ ان کے حافظہ اور یادداشت کی بھی ستائش ہوتی رہی ہے۔ دورانِ تعلیم ہی سے ان کی یہ دونوں خصوصیات نمایاں تھیں۔ وہ سائنس کے طالب علم تھے۔ انگریزی زبان وادب ان کا سبجیکٹ نہ تھا۔ اپنے ذاتی ذوق اور دورِ جدید کے افکار کے مسلسل مطالعے سے انہیں انگریزی زبان پر اس طرح قدرت حاصل تھی جیسے یہی ان کا موضوع ہو۔ وہ بغیر کسی تکلف کے انگریزی میں اظہارِ خیال کرتے تھے۔

جناب سید حامد حسین صاحب مرحوم سابق معاون قیم جماعت، جو ایک وقت امیر حلقہ اتر پردیش بھی رہے، اپنے وقت کے مانے ہوئے خطیب تھے۔ ان کی تقریر بڑی مربوط اور جدید وقدیم معلومات کی حامل ہوتی۔ کسی موقع پر ان کی تقریر کے انگریزی ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مجلس میں محمد رفعت موجود تھے۔ غالباً یہ ان کے زمانۂ طالب علمی کا واقعہ ہے۔ انہوں نے ترجمہ کی خدمت انجام دی۔ ترجمہ اس قدر بھرپور، عمدہ اور نفیس تھا کہ کوئی نکتہ چھوٹنے نہیں پایا۔ اس سے دیگر اصحاب کے علاوہ خود حامد حسین صاحب بھی متاثر ہوئے۔ حامد حسین صاحب نے مجھے یہ واقعہ سنایا اور مستقبل میں ان سے بڑی توقعات کا اظہار فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ رفعت نے اپنے بزرگ کی توقعات کو پورا کردکھایا۔

ادھر کئی سال سے میرے خطابات کے انگریزی ترجمہ کی خدمت بھی وہ انجام دے رہے تھے۔ اس کے لیے وہ نوٹس نہیں لیتے تھے، بلکہ پوری تقریر ان کی یادداشت میں محفوظ ہوتی۔ ایسا بہت کم ہوا کہ کوئی نکتہ ترجمہ سے رہ گیا ہو۔

☆ رفعت کے انتقال پر ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے والد بندو خاں صاحب ۷؍فروری ۲۰۲۱ء کو رحلت فرما گئے۔ تقریباً سو سال کی طویل عمر پائی۔ ادھر کئی برس سے مختلف عوارض میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور نیکیوں کو قبول فرمائے۔ رفعت سے انھیں خاص تعلق تھا۔ وہ بھی ان کا غیر معمولی احترام کرتے تھے۔

ایک اور بات یاد آرہی ہے۔علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے بعض اسلام پسند طلبہ نے، جو اونچے درجات کے تھے،جن کے سبجیکٹ ایک دوسرے سے مختلف تھے، مجھ سے عربی پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں آمادہ ہوگیا۔ انھوں نے یونی ورسٹی کے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں ایک کمرہ استعمال کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔بعد مغرب کلاس ہوتی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ سب طالب علم ہیں،کلاس کی حاضری اور اپنے سبجیکٹ کی تیاری آپ کے لیے ضروری ہے۔یہاں صرف ایک گھنٹہ کا پروگرام ہوگا اور کوئی ہوم ورک نہ ہوگا۔ جو طلبہ شریکِ درس تھے ان میں رفعت سب سے آگے تھے۔جو جملے یا صرف ونحو اور گرامر کے قواعد بتائے جاتے، وہ ان کے ذہن میں محفوظ ہوجاتے۔دوبارہ یاددہانی کی ضرورت نہ پیش آتی۔ یہ سلسلہ چند ماہ ہی جاری رہ سکا۔بعد میں رفعت نے خود سے اپنی عربی بہتر بنانے کی کوشش کی۔اس سے انہیں فہم قرآن میں مدد ملی۔

ڈاکٹر رفعت کی قابلیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ امتحان کے ایام میں فزکس کے اپنے ہی درجہ کے طلبہ کی وہ کلاس لیتے۔ایک استاد کی طرح امتحان کی تیاری کراتے۔وہ کلاس میٹ کے ساتھ ان کے ٹیچر بھی تھے۔

پختہ فکر اسلامی

ڈاکٹر رفعت جماعت کے بنیادی فکر کے حامل ،اس کے بہترین وکیل اور ترجمان تھے۔وہ کسی بھی مجلس میں بے خوف اس کے اظہار کا حوصلہ رکھتے تھے۔انھوں نے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی فکر کو پوری طرح جذب کیا تھا۔مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی تحریریں بھی ان کی فکر کو مضبوط کرنے میں معاون رہی ہیں۔البتہ اس کے حوالے ان کے مضامین میں کم نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر رفعت نے قرآن مجید کو اپنی فکر کی اساس بنایا۔وہ ہر نکتہ پر آیاتِ قرآن کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہیں اور اس کی تشریح مولانا مودودی کی تفہیم القرآن اور مولانا کی بعض دیگر تصانیف سے کرتے ہیں۔تفہیم القرآن کے بعد ان کے مضامین میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔کہیں کہیں حضرت مولانا اشرف

علی تھانویؒ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ حدیث سے استدلال کی مثالیں ان کے یہاں کم ہیں۔ عربی مآخذ تک ان کی رسائی نہ تھی۔ ان سے استفادہ انھوں نے نہیں کیا ہے۔

وسعتِ مطالعہ

ڈاکٹر رفعت کا مطالعہ کافی وسیع تھا۔ ان کی ذاتی لائبریری میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا خاصا قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ انھوں نے اپنی علالت کے زمانہ میں بہت سی اہم کتابیں دوسروں کو دے دیں۔ ڈاکٹر رفعت نے افکارِ مغرب کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ وہ ان افکار سے متاثر اور مرعوب نہیں تھے۔ ان کی نظر ناقدانہ تھی۔ وہ ان کے افادی پہلوؤں سے بھی اور خامیوں سے بھی بخوبی واقف تھے اور اس کے برملا اظہار کی جرأت رکھتے تھے۔ ان کی یہ جرات فطری تھی۔ آسانی سے کسی فکر وخیال سے متاثر ہونا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ نے جس طرح مغرب کو چیلنج کیا اس سے ان کی اس جرات بے باکانہ کو تقویت حاصل ہوئی۔ انھوں نے علامہ اقبالؒ کے اردو کلام کا بار بار اور گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ بعض اوقات اس کے حوالے سے بات کرتے تھے۔ مولانا مودودیؒ کی تنقیحات اور تفہیمات جیسی تصانیف نے انھیں مغرب سے خطاب کا سلیقہ سکھایا۔

ان کا شمار ہمارے ان اصحابِ دانش میں ہوتا تھا جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی فکری الجھنوں کو رفع کر سکتے اور دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کر سکتے ہیں۔

رفعت کی ذہنی برتری کی ایک مثال یہ ہے کہ دور حاضر میں پوسٹ ماڈرنزم کا بڑا چرچا تھا اور اب بھی ہے۔ ہمارے بعض دوست احباب بھی اس سے متاثر تھے، حالاں کہ وہ موجودہ فکری ناکامیوں اور اس کی تباہ کاریوں کا ایک مجہول سا ردّ عمل ہے۔ میں نے رفعت سے اس کا اظہار کیا تو انھوں نے اس کی تائید کی اور میرے کہنے پر ایک جامع تحقیقی مقالہ تحریر کیا، جو تحقیقات اسلامی، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ نے اپنی تصنیف 'قرآن اور علم جدید' میں ڈارون، میگڈوگل، فرائڈ، کارل مارکس اور میکاولی کو دورِ جدید کے فکری اساطین کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور قرآن مجید کی راہ نمائی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے رفعت

سے اس کتاب کا ذکر کیا اور کہا کہ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء سے بہت سے اسلامی دانش ور بھی متاثر ہیں اور اسے حقیقتِ واقعہ تصور کرتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے مضامین میں اور مولانا وحید الدین خاں نے اپنی کتاب 'علم جدید کا چیلنج' میں اس کی کمزوریاں واضح کی ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کے باوجود جدید معلومات اور تحقیقات کی روشنی میں اس پر مزید بحث و گفتگو کی ضرورت ہے۔ اس پر انہوں نے بہت ہی مدلّل اور بیش قیمت مقالہ سپردِ قلم کیا، جو تحقیقات اسلامی، جنوری ۔ مارچ ۲۰۲۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ فرائڈ پر بھی اسی طرح کی کوئی چیز ضبط تحریر میں لائیں، لیکن اللہ کی مرضی کہ اس کی نوبت نہیں آئی۔

غیر معمولی قوتِ کار

ڈاکٹر رفعت کے اندر غیر معمولی قوتِ کار تھی۔ ایسی کم ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ جامعہ کی تعطیلات کا استعمال زیادہ تر جماعت کے اجتماعات کے لیے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جامعہ میں شنبہ اور یک شنبہ دو روز کی تعطیل ہوتی ہے۔ ادھر چند سال سے ان کا معمول تھا کہ ان دو دنوں میں انہیں کسی دعوتی یا تربیتی پروگرام میں مدعو کیا جاتا تو اس میں ضرور شریک ہوتے اور ان دو دنوں میں انہیں کئی کئی تقریریں کرنی پڑتیں۔ دوشنبہ کو ان کی واپسی ہوتی تو وہ سیدھے جامعہ پہنچ جاتے اور تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ شام کو گھر واپس لوٹتے۔ یہ پروگرام ممبئی، چنئی، بنگلور، کلکتہ، کالی کٹ جیسے دور دراز مقامات کے بھی ہوتے۔ ظاہر ہے، اس میں کھانے اور ناشتے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا، لیکن واپسی کے بعد وہ تازہ دم ہوتے اور معمول کے مطابق ان کی مصروفیات شروع ہو جاتیں۔ ایسا محسوس ہوتا کہ انہیں سستانے یا آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ انہوں نے گھر پر بھی کبھی تکان کا اظہار نہیں کیا۔

میقاتی پالیسی کی ترتیب میں شرکت

رفعت ۱۹۹۹ء میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ ادھر کئی میقات سے جماعت کی پالیسی اور پروگرام کی ترتیب کے لیے شوریٰ جو کمیٹی تشکیل دیتی، اس

میں وہ ضرور شامل ہوتے۔اس میں بڑی دل جمعی سے ان کی شرکت رہتی۔ شوریٰ کے اجلاسوں میں ان کا رویہ انتہائی قابلِ ستائش ہوتا۔ کسی نکتہ سے ان کو اختلاف ہوتا تو اسے دلائل سے بیان کرتے۔ اگر ان کی رائے سے مجلس کو اتفاق نہ ہوتو اس سے بد دل نہ ہوتے، بلکہ تھوڑی ہی دیر میں ایسا لطیفہ یا شگوفہ چھوڑتے جس سے مجلس زعفران زار ہوجاتی اور پھر سنجیدگی سے ایجنڈے کے دوسرے امور پر اظہارِ خیال کرنے لگتے۔ ڈاکٹر رفعت امت ِ مسلمہ کے مقصدِ وجود اور جماعت کے نصب العین کی پرزور وکالت کرتے، لیکن موجودہ حالات میں اسلام کے لیے راہیں تلاش کرنے کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا تھا۔ اختلاف واتفاق کے باوجود وہ اجتماعیت اور نظمِ اجتماعی کی دینی اور شرعی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب بھیڑ ریوڑ سے الگ ہوتی ہے تو آسانی سے بھیڑیے کا نوالہ بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر رفعت کے اظہارِ خیال میں زورِ خطابت نہ ہوتا، بلکہ ان کا اندازِ بیان خنک شبنم کی طرح ہوتا۔ ان کی کوشش ہوتی کہ موضوع کے تمام جوانب زیر بحث آئیں اور ان کے حق میں دلائل فراہم کیے جائیں۔ غیر متعلق باتوں سے اجتناب کرتے۔ سوال وجواب میں بھی یہی انداز ہوتا۔

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی سے تعلق

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی تاسیس جن افراد کے ذریعہ ہوئی ان میں وہ بھی شامل تھے۔ شروع ہی سے ’خازن‘ کا منصب انہیں حاصل تھا، لیکن مالیات کے لیے تگ ودو ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تھی، اس لیے وہ یہ خدمت انجام نہیں دے سکے۔ البتہ ان کا فکری تعاون اسے مستقل حاصل رہا۔ اس طویل عرصہ میں شاید ہی وہ اس کے کسی اجلاس سے غیر حاضر رہے ہوں۔

علی گڑھ ان کے خاندان کا وطنِ ثانی ہے، اس لیے علی گڑھ ان کی بہ کثرت آمد ورفت رہتی۔ وہ علی گڑھ جاتے تو عموماً ادارہ پہنچتے اور وہاں کے محققین اور اسکالرس کی علمی راہ نمائی کرتے۔ وہ تصنیفی اکیڈمی کے بھی ذمہ دار تھے۔ ادارہ کے محققین کے مضامین اور تصانیف ان کی نظر ثانی کے بعد مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہوتی رہی ہیں۔

وہ ہر کام تیزی سے کرنے کے عادی تھے۔ اس لیے ان تصانیف کی اشاعت بھی جلد ہوجاتی۔ ادارہ کے لیے ان کی یہ خدمت ناقابل فراموش ہے۔

اخلاقی بلندی

رفعت سے خلقِ خدا کی محبت کی ایک وجہ ان کا اعلیٰ اخلاق تھا۔ ان کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ ہوتی۔ جس سے ملتے خندہ روئی اور بشاشت سے ملتے۔ وہ انتہائی منکسر المزاج اور خاک سار تھے۔ کوئی بات ناگوار بھی ہوتی تو خفگی کا اظہار نہ کرتے۔ ان کے سامنے غالباً یہ حدیث رہتی کہ غصہ کو پی جانا سب سے تلخ گھونٹ ہے، جو اللہ تعالی کو بہت پسند ہے۔

تحریری کاوشیں

ڈاکٹر رفعت اسلامی موضوعات پر اپنے عہدِ شباب ہی سے زبانی اظہار خیال کرتے رہے ہیں۔ مضمون نگاری کی طرف ان کی خاص توجہ نہیں رہی۔ ۲۰۰۹ء میں ماہ نامہ زندگی نو کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد انھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ اسلام کے تعلق سے جدید ذہن کے سوالات کا جواب دینے اور اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی۔ زندگی میں ان کے شائع شدہ مضامین کے حسب ذیل نو (۹) مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

۱۔ جماعت اسلامی ہند کی پانچ بنیادی خصوصیات (۲۰۱۰)

۲۔ عصر حاضر کے پُر فریب نعرے (۲۰۱۵)

۳۔ امت مسلمہ۔ مشن اور خود شناسی (۲۰۱۵)

۴۔ اسلامی تحریک۔ سفر اور سمت سفر (۲۰۱۵)

۵۔ فرد، معاشرہ اور ریاست۔ اقامتِ دین کے تناظر میں (۲۰۱۵)

۶۔ امت مسلمہ کا نظام اجتماعی (۲۰۱۸)

۷۔ علم و تحقیق کا اسلامی تناظر (۲۰۱۸)

۸۔ دعوت اور جہاد۔ عصر حاضر کے تناظر میں (۲۰۱۸)

۹۔مسلمان اور ہندوستانی ریاست (۲۰۱۹)

ڈاکٹر رفعت نے میری کتاب 'اسلام–انسانی حقوق کا پاسبان' کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اس پر مبسوط مقدمہ لکھا۔یہ ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۲۵ سے شائع ہو چکا ہے۔

تحریک اسلامی کا طریقۂ کار

ڈاکٹر رفعت نے 'اسلامی تحریک۔سفر اور سمت سفر' میں جماعت اسلامی کے طریقۂ کار کی وضاحت کے لیے جماعت کے دستور کا حوالہ دیا ہے، جس میں صراحت کی گئی ہے کہ ''جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع یا طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں، یا جن سے منافرت، طبقاتی کش مکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کرے گی۔''

انھوں نے اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ کے خیالات بہت تفصیل سے پیش کیے ہیں کہ اسلامی تحریک کو کھل کر اور علانیہ کام کرنا چاہیے۔اس کے لیے خفیہ طریقۂ کار یا زیر زمین (Under Ground) سرگرمی کسی حال میں درست نہیں ہے۔تحریک اسلامی کے کارکنوں کو اس سے بچنا چاہیے۔انھیں عوامی تحریک چلانی چاہیے اور اس راہ میں جو بھی رکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں انھیں برداشت کرنا چاہیے۔اس کی وضاحت جماعت اسلامی ہند کے ذمہ داروں کی طرف سے مسلسل ہوتی رہی ہے۔اس خاک سار نے بھی اس پر اپنے مضامین میں اظہار خیال کیا ہے۔

رفعت کی خانگی زندگی

رفعت کی خانگی زندگی بہت خوش گوار اور پُرسکون رہی۔اس میں ان کی سادگی اور بے نفسی کے ساتھ بیوی بچوں کے تعاون کا بھی دخل رہا ہے۔ان کے درمیان غیر معمولی

ہم آہنگی تھی۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات شاید باعث تعجب ہوگی کہ وہ کبھی کبھی بچوں کے ساتھ لوڈو کھیلتے۔خوشی سے ہار جیت کا سامنا کرتے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت ومحبت کام یاب خاندان کی اساس ہیں۔ یہ یہاں موجود تھی۔موجودہ حالات میں جہاں خانگی تنازعات بکثرت دیکھے جاتے ہیں، اسے ایک مثالی خاندان ہی کہا جاسکتا ہے۔

رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جماعت کے کیمپس میں دیر تک نصرت (اہلیہ) کے ساتھ ٹہلتے۔کسی خاص مصروفیت ہی سے اس معمول میں فرق آتا۔ علالت کے زمانہ میں نصرت انھیں بعد عشاء چہل قدمی کے لیے لے جاتی۔ابتدا میں اس کے لیے ان میں آمادگی نہ تھی، پھر خوشی خوشی ٹہلنے لگے۔

دسمبر ۲۰۱۱ء کی بات ہے کہ نصرت رکشا سے گر پڑیں اور پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ہم سب پریشان ہوئے۔ الشفا ہاسپٹل میں آپریشن ہوا اور راڈ ڈالا گیا۔اس دوران میں وہ بہت فکرمند رہے۔ بعد میں اس کی فیزیوتھراپی ہونے لگی۔اس کے لیے خود ہاسپٹل لے جاتے اور لاتے۔

کھانا ذوق کے مطابق نہ ہو تو گھر میں بحث وتکرار شروع ہوجاتی ہے۔رفعت اس معاملہ میں بے نیاز سے تھے۔کسی خاص کھانے کی ان کی فرمائش ہوتی، نہ کھانے میں نقص نکالتے۔کھانا حسب ذوق ہو یا نہ ہو، کوئی رائے زنی نہ کرتے۔ بچوں کو بھی اس کی نصیحت کرتے۔بعض چیزیں رغبت اور شوق سے استعمال کرتے۔گھر کے لوگ کبھی کبھی اس کا اہتمام کرتے۔کھانے کا انتظار ان کے مزاج کے خلاف تھا۔اس میں وقت کی پابندی کا خیال رکھتے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ کالج کا وقت ہو رہا ہے اور ناشتہ میں تاخیر ہے تو ناشتہ کے بغیر ہی کالج روانہ ہوگئے۔

ایک وقت ان کے ذہن میں Diet Control (تقلیل غذا) کا خیال بیٹھ گیا۔ان کی خوراک زیادہ نہ تھی، وہ اور کم ہوگئی۔اس کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ان کا ہومیوگلوبین کم ہوتا چلا گیا۔کم زوری بڑھنے لگی، لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کررہے تھے۔علالت کے زمانہ میں ڈاکٹروں نے اس کی تشخیص کی اور دوا

تجویز کی۔ اس کے ساتھ گھر پر غذا کا بھی اہتمام کیا گیا۔ بڑی حد تک اس کی تلافی ہوئی۔

رفعت کے علمی مزاج کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ انہیں سیر وتفریح سے کوئی دل چسپی نہ ہوگی، لیکن وہ ایک باذوق اور خوش مزاج انسان تھے۔ انہوں نے اس کے لیے بھی وقت نکالا۔ تعطیلات میں اس کا پروگرام بناتے۔ انہوں نے مختلف اوقات میں بچوں کے ساتھ نینی تال، ہلدوانی، دہرہ دون، مسوری، کشمیر، شملہ، وشاکھا پٹنم، جے پور جیسے تاریخی مقامات کی سیر وتفریح کے لیے وقت نکالا۔

بچوں کی تعلیم وتربیت

اللہ تعالیٰ نے رفعت کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں عطا کیں۔ سب نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ خود اس کی نگرانی کرتے۔ ان کا انداز نرالا تھا۔ وہ بچوں سے کہتے: خود تیاری کیجیے اور کوئی دقّت ہو تو بتائیے، پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ ایک لطیفہ یاد آرہا ہے: ایک بچے نے ریاضی کا کوئی سوال کیا۔ رفعت نے اس کا جواب دیا۔ اس نے کہا: کتاب میں اس کا جواب دوسرا ہے۔ رفعت نے کہا: کتاب کا جواب غلط ہے، اسے صحیح کرلو۔

بچوں کی دینی تعلیم کی طرف ماں باپ کی مستقل توجہ رہی۔ ان میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور ان کی دینی معلومات میں اضافہ کی کوشش کی۔ اس میں وہ بڑی حد تک کام یاب رہے۔ خود بھی نماز باجماعت کے پابند رہے اور لڑکوں کو بھی پابند بنایا۔ اولاد کی تربیت میں گھر کے ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہ ماحول انہیں حاصل تھا۔

کوئی انسان کم زوریوں اور خامیوں سے پاک نہیں ہوتا۔ سہو ونسیان اس کی سرشت میں داخل ہے۔ وہ انسان قابلِ ستائش ہے جس کی خامیوں پر اس کی خوبیاں غالب ہوں۔ میرا خیال ہے، رفعت ان ہی میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت عطا کرے اور اپنے مقرب بندوں میں انھیں شامل کرے۔